رسول ہمارے محسن

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

رسول ہمارے محسن

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب	:	رسول ہمارے محسن
مُصنّفہ	:	نگہت ہاشمی
طبع اوّل	:	اپریل 2006ء
تعداد	:	2100
ناشر	:	النور انٹرنیشنل
فیصل آباد	:	103 سعید کالونی نمبر 1' کینال روڈ' فون: 1851 872 - 041
بہاولپور	:	7A' عزیز بھٹی روڈ' ماڈل ٹاؤن اے' فون: 2875199 - 062 2885199' فیکس : 2888245 - 062
ملتان	:	888/G/1' بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی' بوسن روڈ' گلگشت فون: 8449 600 - 061
ای میل	:	alnoorint@hotmail.com
ویب سائٹ	:	www.alnoorpk.com
مطبع	:	عبدالرفیع پرنٹرز اینڈ پبلیشرز
قیمت	:	10روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ہ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ [البقرہ252-253]

''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم ٹھیک ٹھیک آپ کو سنا رہے ہیں اور [اے محمد ﷺ!] تم یقیناً ان لوگوں میں سے ہو جو رسول بنا کر بھیجے گئے۔ یہ رسول [جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے] ہم نے ان کو ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کئے''۔

ان آیات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کی رہنمائی کے لیے مختلف ادوار میں رسول اپنا ایک مخصوص کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ آج ہمارے سامنے یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ رسول کون تھے؟ جن رسولوں کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں آیا اُن کے نام تو ہم جانتے ہیں لیکن اُن کے کاموں سے صرف اِس حد تک واقف ہیں کہ اُن پر کتابیں اُترتی رہیں اور وہ کتاب کی تعلیم دیتے رہے۔

رسولوں کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی توجہ طلب ہیں کیونکہ محض اتنا جان لینے سے رسالت کا عقیدہ اندر جڑ نہیں پکڑتا، نہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حقیقی تعلق قائم ہوتا ہے اور نہ اُن کے بعد اِس راستے پر چلنا ممکن رہتا ہے جب تک کہ اُن کے فریضے کے بارے میں مکمل طور پر نہ جانیں۔

☆ رسولوں کے انتخاب کے پیچھے اللہ ربّ العزت کا مطلوبہ معیار کیا تھا؟
☆ رسول اپنی زندگی میں کیا کام کرتے رہے؟
☆ انسانیت کے لیے آخر رسالت کے طریقہ کار ہی کو ربّ نے کیوں پسند کیا؟

ان ساری باتوں کا جواب ہم رسول ہی کے حوالے سے دیکھیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام رسول اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ تھے۔کوئی شخص اپنی طرف سے رسالت کا دعویٰ تو کرسکتا ہے لیکن اس کا یہ دعویٰ سچا نہیں ہوسکتا کیونکہ کوئی انسان اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کا، رسالت کا پیغام نہیں پہنچا سکتا۔اللہ تعالیٰ کی ذات ہی جانتی ہے کہ وہ یہ کام کس سے لے۔جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ [الانعام:124]

''اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ استعدادِ رسالت کو جہاں رکھ دے۔''

یعنی کس سے اپنی پیغام رسانی کا کام لے، اِس طرح جتنے بھی نبی آئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی انھیں منتخب کیا کہ وہ انسانوں کی رہنمائی کریں گے۔

دوسرا غور طلب سوال یہ ہے کہ رسولوں نے کیا کام کیے؟

رسول انسانوں کو ربّ سے ملانے کے لیے مؤثر ذریعہ اوراہم رابطہ تھے۔اُن کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ عام انسان مختلف واسطوں اور طریقوں سے رہنمائی پاتے ہیں لیکن رسول براہ راست اللہ تعالیٰ سے رہنمائی لیتے رہے، وحی فرشتے کے توسط سے ان کے دل پر نازل ہوتی رہی، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام ہے۔

رسولوں کے حوالے سے یہ سوال بھی خاص ہے کہ عام انسانوں کے مقابلے میں اُن کی رہنمائی کیوں اہمیت رکھتی ہے؟

کیونکہ ہرایک کی رہنمائی میں غلطی کا امکان ہوتا ہے لیکن رسولوں کی رہنمائی میں نہ تو غلطی کا امکان ہے، نہ وہ سیدھے راستے سے بھٹکتے ہیں، نہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا، نہ کبھی حق کو چھپایا بلکہ جو حق اُن کے پاس آیا، اُنہوں نے اسے بغیر کسی کمی بیشی کے دوسروں تک ضرور پہنچایا۔

رسولوں کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے انسانوں کو بتایا کہ

وہ کس لئے پیدا کیے گئے ہیں۔۔۔؟

ان کا مقصد زندگی کیا ہے۔۔۔؟

انہوں نے کیوں زندہ رہنا ہے۔۔۔؟

اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے۔۔۔؟

اور اپنی زندگی میں یہ طریقہ کیوں جاری رکھنا ہے؟

انبیاء علیہم السلام نے یہ بتایا کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد آنے والی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے اور اس کے لیے اپنی اس زندگی میں تیاری کرنی ہے۔

رسولوں نے انسانوں پر احسان کیا کہ انھیں اپنے خالق سے متعارف کروایا۔یعنی

انسان کو اپنے خالق کی پہچان دی۔ رسولوں کے توسط سے ہی انسانوں نے یہ جانا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اسی نے ہماری رہنمائی کی ہے اور وہی ہماری زندگی کا مالک ہے، وہی جان قبض کر لینے والا ہے اور وہ سریع الحساب یعنی جلد حساب کتاب لینے والا ہے۔

رسولوں نے انسان کو اس کائنات کی حقیقت بتائی اور کائنات میں اس کی حیثیت سمجھائی۔ اگر یہ بات غیر اہم محسوس ہوتی ہے تو ذرا دوسرے مذاہب سے موازنہ کر کے دیکھیں کہ دنیا میں جتنے بھی رہنمائی کرنے والے مذاہب ہیں، وہ کیسے عجیب تصورات دیتے ہیں؟ مثلاً کہیں انسان ایک ناگ کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے، کہیں ایک سورج کے آگے سجدہ ریز ہے، کہیں چاند کے آگے اپنا ناک رگڑ رہا ہے، کہیں کسی شیر کے آگے، کہیں آگ کے آگے اور کہیں مختلف مظاہرِ قدرت کے آگے۔ جہاں بھی انسان کسی مخلوق کے آگے جھکا ہوا ہے، وہ دراصل اس کے شر سے بچنا چاہتا ہے یا اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک انسان کا یہ رویہ ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ ہر چیز کے آگے یونہی سر جھکاتا رہے گا؟ یا اسے اِن چیزوں کو محض اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرنا ہے اور صرف اپنے مالک کے آگے جھکنا ہے؟ چنانچہ انسان کے لئے اپنی حیثیت کو پہچاننا ضروری ہے۔ رسولوں نے انسان کو اس کی یہی حیثیت سمجھائی ہے۔

دنیا میں جتنے بھی علوم ہیں، کوئی علم ایسا نہیں ہے جو انسان کو یہ بتائے کہ جس وقت اس کی جان قبض ہو جاتی ہے اور جب وہ وفات پا جاتا ہے تو اِس کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ انسان اپنی ناقص عقل سے صرف یہ اندازہ لگاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا وجود مٹی ہو جاتا ہے، اس کی ہڈیاں بھی خاک میں مل جاتی ہیں اور اس کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں۔ یہ رسول ہی تھے جنھوں نے انسانیت کو آخرت کا سچا علم دیا کہ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوگا، نہ ہی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگا بلکہ اسے دوبارہ زندگی ملنی ہے اور وہ زندگی

کیسی ہوگی۔۔۔؟ اچھی یا بری! اِس کا انحصار اِس دنیا کی زندگی کے اعمال پر ہے۔ یہ سچا علم ہمیں رسولوں نے دیا۔ ایک لمحے کے لیے دین کی تعلیمات کو الگ رکھ کر ذرا اپنی عقل سے سوچ کر دیکھیں، موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں سوچیں، کوئی سوچ کسی راستے سے آہی نہیں سکتی۔ یہ رسولوں کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہم ان کے بتانے پر اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی کو اپنے تصور میں لا سکے۔

رسولوں نے اپنی ذات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ زمین کی اصلاح کے لیے پورا نظامِ زندگی دیا۔ یعنی انہی کے توسط سے ہمیں پتہ چلا کہ صالحیت کیا ہے؟ اچھا رویہ کیا ہے؟ خود اپنی اصلاح کیسے کرنی ہے؟ انہی کے توسط سے پتہ چلا کہ اجتماعی زندگی کے سارے نظام، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون، بین الاقوامی تعلقات کیسے اُستوار کرنے ہیں؟ یہ ان کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ان کے توسط سے انسانی زندگی کو ایک ایسا لائحہ عمل ملا کہ اب انسان کہیں بھی اندھیرے میں نہیں ہے۔ آج کا انسان بڑے سے بڑا نظام بنانے کی کوشش کر لے لیکن جو نظام رسولوں نے دیا اس کے مقابلے کا کوئی نظام بنانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

رسولوں کا انسانوں پر ایک بہت بڑا احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے ذات کی اصلاح اور اس زمین کے تمام تر نظامات کی اصلاح کیلئے جو لائحہ عمل دیا وہ محض زبانی بتا دینے کا عمل نہیں تھا بلکہ انہوں نے پورا عملی نظام قائم کر کے دکھایا یعنی Not only theoretical education but also practical implementation.

یوں آج انسانیت کے سامنے ہے کہ امن کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے؟

وہ پورا نظام جو تمام رسولوں سے ہوتا ہوا آخری رسول محمد ﷺ کے توسط سے ہمیں ملا، اس رہنمائی کے بغیر ہم نظروں سے اوجھل اپنے آخری انجام کی حقیقت کو محض اپنی عقل کی

بنیاد پر نہیں سمجھ سکتے تھے۔ رسولوں نے سفرِ آخرت میں کامیابی پانے کا ایک منصوبہ دیا۔ وہی منصوبہ جس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ہم بار بار پریشان ہو اٹھتے ہیں کہ اب کیا کریں؟ اگر یہ منصوبہ بھی نہ ہوتا تو ہم کیا کرتے؟ رسولوں کی رہنمائی کے بغیر انسان تباہ و برباد اور گمراہ تو ہوسکتا ہے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ ان کا ہماری ذات پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں کامیابی کا واضح پروگرام دیا۔

رسولوں کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ سب یکے بعد دیگرے آئے اور انسانیت کی مسلسل رہنمائی کرتے رہے۔ کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب اللہ ربّ العزت نے اپنے رسول انسانوں کی ہدایت کیلئے نہ بھیجے ہوں۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ [الرعد:7]

''ہر قوم کے لیے ایک رہنمائی کرنے والا ضرور آیا''۔

رسول دراصل انسانوں کو کامیاب کروانے کے لیے آئے۔ انہوں نے کامیابی کے لیے ایک پروگرام دیا اور انسانوں کو ہمیشہ کی ناکامی سے ڈرایا۔ یعنی ایک طرف اگر کامیابی کا پروگرام دیا تو ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی صورت میں کون سی تباہی ہماری منتظر ہوسکتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ ربّ العزت جب یہ فرماتے ہیں:

تِلْكَ الرُّسُلُ تو مراد یہ ہے کہ یہ ہیں رسول ۔۔۔ انسانیت کے محسن۔ انسانوں پر ان کے کتنے بڑے احسانات ہیں کہ ہر دور میں انہیں گمراہ ہونے اور بھٹکنے سے بچایا۔

رسولوں کے بارے میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ان کا کوئی پروگرام ذاتی نہیں تھا، اپنے ذہن کی اختراع نہیں تھی، خود سے انہوں نے کوئی منصوبہ نہیں دیا۔ ہر رسول نے

انسانیت کو یہی بتایا کہ جو کچھ ہے ربّ کی طرف سے ہے۔مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے تھے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَ يْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ [هود:28]

''اے برادرانِ قوم! ذرا سوچو تو سہی کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پہ قائم تھا۔''

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول رب کی طرف سے کھلی شہادت پر قائم ہوتے ہیں۔اِسی آیت کے اگلے حصّے میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَاٰتٰنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ط اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ [هود:28]

''پھراس نے مجھ کو اپنی خاص رحمت سے بھی نواز دیا مگر وہ تم کو نظر نہ آئی تو آخر ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ تم ماننا نہ چاہو اور ہم زبردستی اس کو تمہارے سر چپکا دیں۔''

اب یہ خاص بات ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے واضح کی، ہر نبی نے یہی کہا کہ اگر تم ماننا چاہو تو مان سکتے ہو اور اگر نہ ماننا چاہو تو ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم کو جبری طور پر اِس نظام میں لے آئیں۔اسی طرح سے حضرت صالح علیہ السلام کے الفاظ میں بھی ہم یہی بات دیکھتے ہیں۔فرمایا:

يٰقَوْمِ اَرَءَ يْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ [هود:63]

''اے برادرانِ قوم! تم نے کچھ اِس بات پر غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا ہوں''۔

یعنی اگر میرے پاس ایک کھلی گواہی ہے اور تمہیں معلوم بھی ہے کہ وہ رحمت مجھ پر نازل ہوچکی اِس کے باوجود اگر تم جھٹلا دو تو ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ تم کو جبری منوا سکیں۔یعنی ہم تمہیں احساس دلا سکتے ہیں، تمہاری توجہ اِس جانب مبذول کروا سکتے ہیں لیکن تم پر کوئی جبر نہیں کر سکتے۔

اسی طرح سے حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں:

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [یوسف:86]

''اس نے کہا: میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔''

کہ میرے دل کو جو صدمہ لاحق ہے وہ تمہارے نہ ماننے کی وجہ سے ہے۔یعنی تمہارے مذاق اُڑانے اور القابات دینے کی وجہ سے میرے دل کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کے بارے میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا بلکہ اپنے رب سے فریاد کروں گا، اسی سے کہوں گا کہ میرا تعلق جو اسی سے ہے اور خاص بات یہ کہی کہ

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ [یوسف:86]

''اور اللہ تعالیٰ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو''۔

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانتا ہوں اور جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، اس لیے جو بات میں کہہ سکتا ہوں، وہ تم نہیں کہہ سکتے۔ جو بات میرے علم میں ہے، وہ بات تمہارے علم میں نہیں۔ میں تمہارے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتا ہوں کہ جو میرے پاس ہے وہ میں تمہیں دے دوں۔ سارے رسولوں نے یہ احسان کیا کہ جو علم اُن کے پاس تھا، وہ اُنہوں نے انسانیت تک پہنچا دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے منصبِ رسالت پر مامور یہ رسول رسالت کا فریضہ کیسے ادا کرتے رہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول براہ راست فرشتے کے ذریعے سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ رسول اللہ تعالیٰ کی بڑائی قائم کرتے اور اسی کی بندگی کی طرف دعوت دیتے تھے۔

رسول اپنا کام کیسے کرتے رہے؟

رسول اپنا کام مسلسل کرتے رہے یعنی بتدریج اِس کام کو انجام دیتے رہے۔ ایک بار بتانے کے بعد فارغ نہیں ہو گئے کہ بس منہ سے ایک بار کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے بلکہ وہ مسلسل، بتدریج، آہستہ آہستہ یہ بات دل اور دماغ کے اندر جمانے کی کوشش میں لگے رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بڑائی نہیں، کوئی اِس لائق نہیں کہ اُس کی بات مانی جائے۔ رسول جب اس بات کی طرف دعوت دیتے تو نہایت نرم روی اور حکمت کے ساتھ دعوت دیتے تھے، خیر خواہی کا جذبہ اِن کی دعوت سے جھلک رہا ہوتا تھا اور وہ نرمی کے ساتھ یہ پیغام پہنچاتے رہے۔

رسولوں نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے ضابطے کی تعلیم دی اور ان کے نفوس کو پاک کیا۔

یہ پاک کرنے کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے۔اِدھر انسان ایک بار پاک ہوتا ہے ساتھ ہی شیطان اپنے وسوسے سے اُسے متواتر ناپاک کرنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔پاکیزگی کا عمل بھی مسلسل کرتے رہنے کا کام ہے۔جیسے ہم لباس پہنتے ہیں اور وہ میلا ہو جاتا ہے تو دوبارہ صاف لباس پہننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اسی طرح کا معاملہ انسان کی روح کے ساتھ ہے، اُس کی روح بھی میلی ہوتی رہتی ہے۔رسول انسانوں کے کتنے بڑے محسن ہیں کہ وہ ساری زندگی اِن کے میلے دامن کو صاف اور پاک کرتے رہے۔کپڑوں کے میلا ہونے پرہمیں اطمینان ہوتا ہے کہ ہم انہیں صاف کر سکتے ہیں لیکن جو دل کا میل اور گندگی ہے وہ اتنی آسانی کے ساتھ نہیں اُترتی۔انسان بعض اوقات وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسے شک لاحق ہو جاتا ہے، اُسے لگتا ہے کہ میری جو غلطی تھی اس پر مجھے معافی نہیں ملے گی۔پھر رسول اس کی ڈھارس بندھاتے ہیں، اس کو تسکین اور تسلی دیتے ہیں۔

رسول رب العزت کی بڑائی کو دل میں ایسا بٹھاتے ہیں کہ انسان براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی پوزیشن میں آجاتا ہے۔پھر وہ اپنے کھلے اور چھپے ہر حال میں اپنے رب کے ساتھ رابطے کی وجہ سے خوف کھاتا ہے۔پھر وہ کسی بھی مقام پر ہو، کسی بھی انداز میں رہ رہا ہو، اسے ایک ہستی کی نظریں اپنے وجود پہ لگی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ان نظروں کی مسلسل تپش کی وجہ سے وہ اپنے عمل کو درست کرتا رہتا ہے۔

رسول انسان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق جینا سکھا دیتے ہیں، جیسے ماں اپنے بچے کو شروع میں کھانا کھانا سکھاتی ہے، پھر اسے سکھاتی ہے کہ اسے کیسے بولنا ہے، اگرچہ بولنے کی قوت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے لیکن بچہ جو زبان سیکھتا ہے وہ ماں کی زبان ہوتی ہے۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل چلنا سیکھتا ہے، پھر ماں اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتی ہے، سارے گھر والے ہی کوشش کرتے ہیں لیکن ماں چونکہ زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ہوتی ہے، زیادہ قریب

ہوتی ہے ، اس لئے وہ اِسے اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ پھر ماں بچے کو بتدریج باتیں کرنا سکھاتی ہے، اسے بتاتی ہے کہ یہ آپ کی بہن ہے، یہ بھائی ہے، یہ والد ہیں، یہ چچا ہیں، یہ نانی اماں ہیں، یہ نانا ابو ہیں، یہ دادی اماں ہیں، یہ دادا ابو ہیں، ان سب کے ساتھ کیسے رہنا ہے، ایک تربیت کا سلسلہ مسلسل گھر میں جاری رہتا ہے۔ جتنا زرخیز ماں کا ذہن ہوگا اور جتنی اچھی ماں کی تربیت ہوگی اتنی ہی بچے کی تربیت اچھی ہوگی، اگر ماں کی اپنی تربیت اچھی نہیں ہوئی تو بچہ بھی بُری تربیت پا کر بُرا بن جائے گا۔

کچھ اسی طرح کا معاملہ رسالت کا بھی ہے۔ ماں کو تو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر بچہ دیا جس کے ساتھ اس کا خون کا رشتہ ہے اور وہ اس رشتے کو پہچانتی بھی ہے۔ ایک گھر کے ماحول کے اندر جہاں ماں بچے کے ساتھ ہر وقت رہتی ہے اور باپ کما کر لاتا ہے تو اس طرح ایک فطری رشتہ قائم ہے۔ لیکن رسولوں کے ساتھ انسانوں کی کوئی فطری، خون کی رشتہ داری نہیں ہے۔ رسولوں نے ایک نئی رشتہ داری قائم کی، اس رشتہ داری کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس بنیاد پر لوگوں کا آپس میں مل بیٹھنا ناگزیر ہے، اگر لوگ نہ مل بیٹھیں تو رسول کیسے ان کی مجموعی تربیت کریں؟ اور کیسے ان کے نفوس کو پاک کریں؟

رسول صرف زبان سے بات نہیں کہتے تھے کہ زبانی تعلیم دے دیں اور زبانی تلقین کر دیں بلکہ وہ تو برائی سے روکتے اور اندر کی خامیوں کو دیکھ کر ان کو مناسب طریقے سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تزکیہ کا عمل ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ اجتماعی زندگی کا عمل ہے، اکیلے گھر بیٹھ کے کرنے والا عمل نہیں ہے۔ تزکیہ میں ہمیشہ گروہی زندگی کا ایک تصور پایا جاتا ہے۔ جب رسول آئے، اُنھوں نے انسانوں کے نفوس کا تزکیہ کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے نام پر اکٹھا کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تعلیم دی، انہیں اس راستے پر چلایا، پھر ان سے بھی وہی کام لیے جو وہ خود کر رہے تھے۔ اسی راستے پر چلتے ہوئے باطل قوتوں کا مقابلہ بھی

کیااور اندر کے دشمن کا مقابلہ کرنا بھی سکھایا۔ یہ بہت سے فرائض تھے جو سارے لوگ مل کر انجام دیتے تھے، اِس طرح سے یہ قافلہ آگے بڑھتا رہا، درجہ بدرجہ جو غلطیاں ہوتی رہیں ساتھ ساتھ ان کی اصلاح بھی ہوتی رہی۔

انبیاء علیہم السلام کا یہ کام تھا کہ ایسا گروہ وجود میں لے آئیں جس کی مدد سے تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کر دیں۔ انہوں نے اسی فریضے کی انجام دہی کیلیئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ ان کی زندگیوں اور تعلیمات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ فریضہ صرف رسولوں کا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کا بھی یہی فریضہ ٹھہرایا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [آلِ عمران:110]

''تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے''۔

اب سوال یہ ہے کہ امت کے افراد کہاں اکٹھے ہوں اور اجتماعی زندگی کیسے اختیار کریں؟ اللہ تعالیٰ کے بندوں تک اُس کا پیغام پہنچانے اور انہیں رب سے ملانے کے لیے کیسے اجتماعی کوششیں کریں؟

اگر ہم اِن سوالوں کا عملی جواب تلاش کرنا چاہیں تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فریضے کو انجام دینے کے لئے مکہ میں کیا کیا؟ آپ ﷺ نے اس گروہ کو کبھی دارِ ارقم میں اکٹھا کیا، کبھی شعبِ ابی طالب میں۔ کیسا کٹھن مگر حسین دور تھا۔ اسی کا نام مشترکہ زندگی ہے۔ اُس وقت بھی کفر کا مقابلہ ہو رہا تھا لیکن ایک اور انداز سے، جب آپ ﷺ نے اس گروہی زندگی میں خلل آتے محسوس کیا تو لوگوں سے کہا: 'جاؤ ہجرت کر جاؤ'۔ اس وقت جبکہ وہ کٹھن اجتماعی زندگی گزار رہے تھے، آپ ﷺ نے کس طرح ان افراد کو اکٹھا رکھا اور ان

کوتعلیم دی۔ جوایک بار رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آیا پھر آپ ﷺ نے اسے جدا نہیں ہونے دیا۔ انہیں سمجھایا کہ اب خود کو خالص کرنے کے لیے ہمارا مل بیٹھنا ناگزیز ہے۔ یہ ایک دن کا نہیں بلکہ ہرروز کا سفر تھا، ہر روز یہ لوگ اکٹھے ہوتے تھے، اپنے رب سے تعلق کی خاطر اور ایک مقصد کی تکمیل کے لئے، پھر آپ ﷺ انہیں دین کے مختلف احکامات سکھاتے، مختلف ذمہ داریوں پر انہیں مامور کرتے اور یوں اسلامی زندگی کا یہ کارواں آگے بڑھتا رہا۔

کل تک رسولوں کا جوسلسلہ جاری تھا، آخرِ کار محمد ﷺ کی وفات پر وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور چونکہ آخری پیغام بھی مکمل ہو گیا ہے اِس لئے اب یہ فریضہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو ادا کرنا ہے۔ جو کام کل رسولوں اور اُن کے ساتھیوں نے کیا آج وہ کام ہمیں کرنا ہے۔ ہمیں ایسی اجتماعیت وجود میں لانی ہے جیسی محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے اور پھر مل کر اسی فریضے کے لیے کوشش کرنا ہے کہ یہ اب ہماری ذمہ داری ہے۔

ایک بات اور بھی مختصراً جان لینے کی ضرورت ہے کہ رسول کا مشن کیا ہوتا ہے؟ جسے پورا کرنے کے بعد انہیں اِس جہان سے واپس بلا لیا جاتا ہے۔ ان کا مشن ہمیں قرآنِ حکیم میں بتایا گیا ہے، اللہ رب العزت نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا [الفتح:28]

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اِس کو پوری جنسِ دین پر غالب کردے اور اِس حقیقت پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے''۔

یعنی کون کیسے اپنی ذمہ داری پوری کر کے گیا؟ کس نے مشن کو پورا کیا اور کس نے پورا نہیں کیا؟ اس کا گواہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ ہماری کارکردگی جانچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست قسم کا جانچ پرکھ کا نظام [monitoring system] قائم کر رکھا ہے اور کوئی بھی اس سسٹم سے باہر نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس جانچ پرکھ میں درست پائے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا سکھا دے اور ان کے چھوڑے ہوئے کام کا بیڑہ اٹھانے کے لئے ہمیں چُن کر ہم سے اَحسن ترین کام لے لے اور اس کے بدلے میں وہ ہم سے راضی ہو جائے۔ دنیا میں آپ ﷺ کے مشن کا ساتھ اور قیامت کے دن محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نصیب کرے۔ [آمین]

[سی ڈی سے تدوین، تعلیم القرآن 2006ء]